(غلام گردش)

سادگی کا عدم وجود

بھارتی صدر سے کیرالا ریاست کے سرکاری دورہ میں پوچھا گیا کہ کن لوگوں سے ملنا چاہے گا۔عملہ کے ذہن میں تھا کہ کیونکہ ڈاکٹر عبدلاسلام نے تحقیق کا زیادہ عرصہ اسی خطہ میں گزرا ہے۔لہذا معززین کی ایک طویل فہرست دی جائیگی۔سماجی بھاری بھرکم شخصیات کو سرکاری ضیافت میں مدعو کیا جائیگا۔اہم لوگوں کو بطور مہمان بلوانے کیلئے "صدارتی محل" کے آداب کے مطابق بیش قیمت گاڑیاں اور پگڑی والے ڈرائیور بھیجے جائینگے۔عملہ سوچتا رہا کہ اب فہرست آئی، کہ اب۔دہلی کے "راج بھون" سے باہر صدر کا پہلا سرکاری دورہ تھا۔سیکرٹری نے دوبارڈاکٹر صاحب سے ادب سے پوچھا کہ کل کن کن کو ملاقات کیلئے مدعو کیا جائے۔عبدالسلام نے بڑی سادگی سے سٹاف کو صرف اور صرف دو نام دیے۔جب یہ نامزد لوگوں کی چھوٹی سی فہرست سیکرٹری کے پاس پہنچی،تو اسے کرنٹ سا لگا۔تیز تیز چلتا ہوا صدر کے کمرے میں پہنچا۔نام اسکے سامنے رکھے اور پوچھا کہ کیا انکو واقعی سرکاری ملاقات کیلئے بلوانا ہے۔صدر نے کہا کہ ہاں، میں صرف اور صرف انہی دو آدمیوں سے ملنا چاہتا ہوں۔سیکرٹری شرمندہ سا ہو کر واپس دفتر میں آ کر بیٹھ گیا۔عملہ کو بلایا اور نام حوالے کر دیے۔عملہ بھی نام دیکھ کر سکتہ میں چلا گیا۔مگر یہ صدر کا سرکاری حکم تھا لہذا ماننا بھی ضروری تھا۔دونوں نام عبدلاسلام کیلئے بہت اہم تھے۔پہلا شخص ایک موچی تھا۔جہاں صدر اکثر اپنے ٹوٹے ہوئے جوتوں کی مرمت کیلئے خود جاتا تھا۔دوسرا شخص، چائے بیچنے والا خوانچہ فروش تھا۔موچی کے نزدیک ہی چائے بنا کر لوگوں کو بیچتا تھا۔یہاں صدر روزانہ چائے پیتا تھا۔دونوں دراصل انتہائی غریب اور بے نام سے لوگ تھے۔ایسے عام لوگوں کی طرف کوئی پلٹ کر دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔صدر کے سیکرٹری نے دونوں کو تلاش کیا اور صدارتی دعوت نامہ بھی بھجوا دیا۔اگلے دن ڈاکٹر عبدالاسلام کے معزز ملاقاتی کیرالے کے "صدارتی محل" میں آ گئے۔گپیں لگنی شروع ہو گئیں۔عبدالسلام بڑے آرام سے صوفے سے اُتر کر ڈرائینگ روم کے فرش پر بیٹھ گیا۔موچی اور چائے والا تو زندگی میں کبھی صوفے پر نہیں بیٹھے تھے۔لہذا وہ دونوں بھی پھسکڑا مار کر زمین پر براجمان ہو گئے۔دو ڈھائی گھنٹے کی ملاقات کے بعد دونوں معزز مہمان واپس چلے گئے۔سیکرٹری اور عملہ اپنے صدر کی سادگی دیکھ کر حیران رہ گئے۔انکی نظر میں اس شخص کی قدر و منزلت میں مزید اضافہ ہو گیا۔

بات کو آگے بڑھانے سے پہلے اس طرح کے چند سچے واقعات لکھنا چاہونگا۔چند برس پہلے آئی آئی ٹی دیرا ناسی یونیورسٹی میں تقسیم اسناد کی سالانہ تقریب تھی۔سینکڑوں لڑکے اور لڑکیاں تعلیمی سفر ختم کر کے عملی دنیا میں جانے کے پر تول رہے تھے۔مہمان خصوصی عبدالسلام تھا۔خیر وقت پر صدر کو مقرر کردہ روٹ سے ہال میں لایا گیا۔جب اسٹیج پر پہنچا تو دیکھا کہ پانچ کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔درمیانی کرسی شاہانہ بھی تھی اور سب سے اونچی بھی۔باقی چار کرسیاں چھوٹے سائز کی تھیں اور یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور پروفیسر حضرات کیلئے مخصوص تھیں۔اس عدم توازن کو دیکھ کر ڈاکٹر نے سٹیج پر جانے سے انکار کر دیا۔وائس چانسلر کو تہذیب سے بتایا کہ بڑے سائز کی کرسی پر نہیں بیٹھے گا۔ہاں،اس پر کوئی بیٹھنے کا حق رکھتا ہے تو صرف اور صرف یونیورسٹی کا سربراہ یعنی وائس چانسلر۔برصغیر میں چونکہ ابھی تک مرعوبیت

درمرعوبیت کا کلچر بہت حاوی ہے۔لہذا وائس چانسلر نے تمیز سے گزارش کی کہ ملکی صدر سے بڑی کرسی پر نہیں بیٹھ سکتا۔کیونکہ یہ سرکاری آداب کے خلاف ہے۔صدر نے سٹیج پر جانے سے انکار کردیا۔انتظامیہ کیلئے مسئلہ کھڑا ہوگیا۔فوری طور پر پانچویں کرسی کا انتظام کیا گیا جو سائز اور حجم میں باقی کرسیوں کے برابر تھی۔جب سٹیج پر ایک جیسی نشستوں کا انتظام ہوگیا تو صدر سٹیج پر جانے کیلئے آمادہ ہوا۔

بالکل اسی طرح جب عبدالسلام، ہندوستان کا صدر بنا، تو دفتر آنے کے بعد اس نے اکاؤنٹنٹ کو بلوایا۔پہلا واقعہ تھا کہ اتنی بلند سطح پر فائز انسان، ایک کلرک کی سطح کے شخص کو سوالات پوچھنے کیلئے بلائے۔اکاؤنٹنٹ ہانپتا کانپتا صدر کے دفتر میں داخل ہوا۔اسے پسینے آئے ہوئے تھے۔آواز میں بھی ہکلاہٹ آچکی تھی۔صدر نے بڑے آرام سے بٹھایا۔نزدیک پڑے ہوئے جگ سے ٹھنڈا پانی گلاس میں ڈال کر پلایا۔جب اکاؤنٹنٹ کا اعتماد بحال ہوگیا تو صدر نے پوچھا کہ بحیثیت صدر ماہانہ تنخواہ کتنی ہوگی اور کب تک ملتی رہیگی۔سوال اتنا عجیب تھا کہ اکاؤنٹنٹ حیران رہ گیا۔صدر کی تنخواہ بتائی۔یہ بھی بتادیا کہ صدارت کا دورانیہ ختم ہونے کے بعد بھی بقیہ زندگی صدر کی پنشن ملتی رہے گی۔عبدلاسلام کا دوسرا سوال تھا کہ کیا یہ سب کچھ مروجہ قوانین کے مطابق ہے۔جواب اثبات میں تھا۔اکاؤنٹنٹ کے واپس جانے کے بعد، عملہ کو کہا کہ آدھا گھنٹہ ذاتی کام کررہا ہے لہذا کوئی فون نہ ملایا جائے۔نا کوئی ملاقاتی ہی آئے۔تیس منٹ تک عبدلاسلام تمام زندگی کے اثاثہ جات اور بحیثیت سرکاری ملازم پنشن وغیرہ کا حساب کرتا رہا۔حساب کتاب کے بعد، حکومتی سیکرٹری کو بلایا اور ایک کاغذ حوالے کیا۔کاغذ پر صدر کے تمام ذاتی اثاثے، بینک اکاؤنٹ اور جائیداد کی تفصیل درج تھی۔سیکرٹری سمجھا کہ قوانین کے مطابق صدر ذاتی اثاثے ڈیکلیئر کررہا ہے۔مگر عبدالاسلام کا فیصلہ بے حد حیرت انگیز تھا۔حکم دیا کہ اسکی تمام دولت، پرانی پنشن اور اثاثے ایک ٹرسٹ کو دے دیے جائیں۔اس ٹرسٹ کا نام پورا تھا۔اور دیہی علاقوں میں ترقی کا کام کررہی تھی۔صدر نے تمام دولت خیرات کردی۔سیکرٹری نے پوچھا کہ اپنی ذات کیلئے کسی قسم کے کوئی بھی ذرائع آمدن نہیں بچارہے۔ڈاکٹر نے سمجھانے کے لہجے میں بتایا کہ اسکی ضروریات حددرجہ کم ہیں۔مزید اذاں اب قانون کے مطابق مرتے دم تک صدر کی پنشن ملتی رہے گی۔جو اسکی ضرورتوں سے بہت زیادہ ہے۔لہذا اسے کسی قسم کی ذاتی دولت کی قطعا کوئی ضرورت نہیں۔اس عطیہ سے اگر غریب لوگوں کو صاف پانی اور دیگر سہولیات میسر آگئیں، تو یہ اسکی زندگی کا سب سے بڑا انعام ہوگا۔حسب حکم بھارتی صدر کی تمام دولت خیرات کردی گئی۔

عبدلاسلام صدر بننے سے پہلے سائنسی تحقیق کے ایک دفاعی محکمہ میں کام کرتا تھا۔تقریباً پوری عمر اسی طرح کے محکموں میں کام کرتے گزری تھی۔ایک دن لیباٹری کے سربراہ نے بلایا اور بہت بڑی خوشخبری سنائی۔عبدلاسلام کو بھارتی وزیراعظم نے "تمغہِ حسنِ کارکردگی" دینے کا اعلان کیا تھا۔کسی بھی ملک کے سائنسدان کیلئے انتہائی ذاتی خوشی کی بات ہوتی ہے کہ ریاست اسکی خدمات کا اعتراف کرے۔عبدلاسلام بے حد خوش ہوا۔پورے ادارے میں خبر پھیل گئی۔مبارک باد دینے والوں کی قطاریں لگ گئیں۔دو دن کے بعد عبدالسلام ادارے کے سربراہ کے پاس گیا۔کہنے لگا کہ وزیراعظم کے پاس نہیں جاسکتا۔سربراہ جواب سنکر ششدر رہ گیا۔مسلسل پوچھنے پر ڈاکٹر کا جواب تھا، کہ وزیراعظم کی سرکاری نشست اور تمغہ اسکے لیے بہت اہم ہیں۔اس پر بہت خوشی بھی ہے۔مگر اصل دشواری یہ ہے کہ اس بلند سطح کے فنکشن کی مناسبت سے اسکے پاس مناسب کپڑے نہیں ہیں۔سربراہ حقہ بکہ رہ گیا۔سوچنے کے بعد مشورہ دیا کہ ڈاکٹر صاحب

آپ، روزانہ جو کپڑے پہن کر دفتر آتے ہیں بالکل وہی پہن کر انعام لینے چلے جایئے۔ کیا آپ یقین فرمائینگے کہ وزیراعظم سے انعام وصول کرنے کیلئے انتہائی ادنیٰ سے کپڑوں میں ملبوس وہاں پہنچ گیا۔ جیسے ہی ہال میں داخل ہوکر نشست کی طرف جانے لگا تو تمام مہمان تکریم میں کھڑے ہوگئے۔ جب تک اپنی جگہ پر نہ بیٹھ گیا، لوگ تالیاں بجاتے رہے۔

شائد آپکے ذہن میں سوال اُٹھے کہ دشمن ملک کے ایک صدر کی سادگی پر کیوں لکھ رہا ہوں۔ وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ بالکل درست بات ہے کہ ہندوستان میں ہمارے خلاف شدت پسندرویہ موجود ہے۔ دراصل ذہن پر سادگی کی بے شمار مثالیں دستک رے رہی ہیں۔ مہذب دنیا کی بھی اور چندترقی پذیر ملکوں کی بھی۔ مگر برصغیر کے تناظر میں ایسی مثالیں بہت ہی کم ہیں۔ آٹے میں نمک کے برابر۔ یا شائد اس سے بھی کم۔ بغیر تعصب کے، اچھی بات یا کام جہاں بھی ملے، اسکی توصیف کرنی چاہیے۔ ہاں، اگر تعصب برتا جائے تو پھر بالکل دوسری بات ہے۔ اپنے ملک کی طرف آتا ہوں۔ مجھے کسی صدر، وزیراعظم، وزیراعلیٰ، وزیر یا کوئی مقتدر شخص کا نام بتادیجئے۔ جس نے اپنی تمام دولت ملک کے لوگوں کی بہتری کیلئے خیرات کرڈالی ہو۔ ایک بھی ارب پتی کا اسمِ گرامی بتادیجئے جو اپنے بچوں کے مالی مفادات کی نفی کرکے تمام دولت عام لوگوں کی بھلائی کیلئے وقف کردے۔ کیا اتنا ظرف نظر آتا ہے کہ کوئی دولت مند شخص ذات سے اُٹھ کر اردگرد کے غریب اشخاص کی تکلیف اور درد محسوس کرے اور انہیں دور کرنے کیلئے اپنا سب کچھ قربان کرڈالے۔ کم از کم طالبعلم کو ایسے لوگ دور دور تک نظر نہیں آتے۔ ہمارے ہاں کا سماجی اور خیراتی کلچر بھی بے حد منافقانہ ہے۔ چند بڑے سرمایہ کار پہلے تو قوم کی ہڈیاں تک چوس جاتے ہیں۔ انکو لوٹ کر اپنی تجوریاں بھر لیتے ہیں۔ انہیں برباد کرکے دولت کے انبار اکٹھے کرتے ہیں۔ پھر آخر میں چند سکے دیکر "دسترخوان" شروع کردیتے ہیں۔ جہاں غریبوں کو مفت کھانا دیا جاتا ہے۔ کوئی سوال نہیں کرسکتا کہ جناب آپ تو دہائیوں سے لوگوں کو بیوقوف بنا کر دولت سمیٹ رہے ہیں۔ ذرا اسکا حساب تو دے ڈالیے۔ مگر "لنگرخانے" کھول کر تلخ سوالات سے بڑے آرام سے مفر حاصل ہوجاتا ہے۔ بالکل اسی طرح، ہسپتالوں میں کمرے بنوانا شروع کردیتے ہیں۔ چند غریبوں کی مالی امداد کرکے اپنا فرض پورا کرلیتے ہیں۔ اگر پوچھا جائے کہ جناب تیس برس پہلے تو آپ خود مزدوری کرتے تھے۔ آج یہ سب کچھ کیسے آگیا۔ جواب بہت سادہ سا ہوتا ہے۔ کہ بس "خدا کا فضل" ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ خدا کا فضل صرف اور صرف جائز ذرائع آمدن سے ہی حلال گردانا جاسکتا ہے۔ لوگوں کا خون چوسنے سے دولت حاصل کرنا مکمل طور پر ہمارے عظیم مذہب کی تعلیمات کی نفی ہے۔ مگر یہاں تو آوے کا آوہ ہی بگاڑ بلکہ سڑاند کا شکار ہے۔ یہاں تو لوگوں کی سماجی خدمت کرنے کی آڑ میں ذاتی کاروبار چمکایا جاتا ہے۔ اخبارات کیلئے تصویریں بنوائی جاتی ہیں۔ ٹی وی اور ریڈیو پر اپنی تعریف کروائی جاتی ہے۔ ہمارے معاشرہ میں دور دور تک صلہ رحمی، سادگی اور بے مقصد نیکی کا کوئی وجود نظر نہیں آتا۔ منافق معاشرہ آکر کسی نے دیکھنا ہو تو اسے فوراً ہمارے عمومی سماجی رویے دکھادینے چاہیے۔ شائد کسی کو شرم آجائے!

راؤ منظر حیات